۹۱

حضرت مسیح موعودؑ کے خاندان کی اہم ذمہ داریاں

(فرمودہ ۲۔ جولائی ۱۹۳۴ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۲ جولائی ۱۹۳۴ء کو صاجزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کا نکاح صاجزادی منصورہ بیگم صاحبہ بنت نواب محمد علی خان صاحب کے ساتھ اور صاجزادہ مرزا منصور احمد صاحب ابن حضرت مرزا شریف احمد صاحب کا نکاح اپنی صاجزادی ناصرہ بیگم صاحبہ کے ساتھ پڑھا۔[1]

خطبہ مسنونہ کی تلاوت کے بعد فرمایا :

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں انسانی پیدائش کے متعلق فرماتا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔[2] یعنی میں نے جن و انس کو صرف ایک مقصد کے لئے پیدا کیا ہے جو یہ ہے کہ وہ میرے عبد بن جائیں۔ صفات الٰہیہ کو اپنے اندر داخل کرلیں اور میرے مظہر کامل ہو جائیں گویا ان میں سے ہر شخص باوجود بندہ ہونے کے خدا تعالیٰ کا ظل ہو جو سطح زمین پر چل پھر رہا ہو۔ ایسے لوگ جنہیں خدا تعالیٰ کی ذات پر یقین نہیں کہا کرتے ہیں کہ خدا کہاں ہے ہمیں دکھا دو اور کئی مؤمن حیران ہو کر پوچھا کرتے ہیں کہ اس سوال کا کیا جواب ہے حالانکہ اگر وہ صحیح معنوں میں مؤمن ہوں تو اس سوال کا جواب وہ خود بن جائیں کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے میں نے ہر انسان کو اپنا ظل بننے کے لئے پیدا کیا ہے۔ پس ہر کامل مؤمن خدا تعالیٰ کا ظل اور خلیفۃ اللہ ہے اس کے ہوتے ہوئے کوئی شخص یہ سوال ہی نہیں کر سکتا کہ خدا دکھا دو کیونکہ اس کی موجودگی میں یہ سوال بالکل بے معنی ہے۔ جب سورج چڑھا ہوا ہو تو کون کہا کرتا ہے کہ مجھے

سورج دکھاؤ یا دریا موجیں مار رہا ہو تو کون کہہ سکتا ہے کہ مجھے دریا دکھادو وہ تو ہر شخص کو نظر آرہا ہوتا ہے۔ پس اگر کوئی شخص دنیا میں وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ کا مظہر ہو جائے تو کوئی شخص یہ سوال نہیں کرسکتا کہ مجھے خود خدا دکھاؤ کیونکہ اس کا وجود ہی خدا تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہوتا ہے اور اس کی تمام صفات اس کے اعمال سے پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہوتی ہیں۔ بہرحال یہ مقصد اور غرض ہے جس کے لئے خدا تعالیٰ نے ہر انسان کو پیدا کیا اور اس مقصد کے حصول کے لئے پہلا انسان جسے ذمہ دار قرار دیا گیا قرآن مجید میں اسے آدم کے نام سے موسوم کیا ہے۔ حضرت آدمؑ ظاہر ہوئے اور انہوں نے دنیا میں خدا تعالیٰ کے وجود کو ظاہر کرنے کی پوری کوشش کی۔ وہ لوگ جن کی ہستیاں اور جن کے آرام اور تعیش خدا تعالیٰ کے وجود کے ظاہر ہونے سے خطرے میں پڑتے تھے انہوں نے حضرت آدمؑ کا مقابلہ کیا اور طرح طرح سے اس نور کو چھپانے کی کوشش کی جو دنیا میں حضرت آدمؑ کے ذریعہ ظاہر ہوا لیکن وہ مخالف اپنی کوششوں میں ناکام رہے۔ اور آدم نے جس قدر اس زمانہ میں مقدر تھا خدا تعالیٰ کا نور ظاہر کیا۔ آدم کا زمانہ گزرا تو حضرت نوحؑ کا زمانہ آیا اس وقت بھی دنیا نے پوری کوشش کی کہ وہ خدا تعالیٰ کے نور کو کسی طرح چھپا دے لیکن دنیا کامیاب نہ ہوئی اور خدا تعالیٰ نے اپنے جلالی نشانوں کے ذریعہ دنیا میں پھر عبودیت قائم کی پھر اللہ تعالیٰ کے عبد دنیا میں نظر آنے لگے۔ اس کے بعد شیطان نے پھر زور پکڑا اور ابراہیمی زمانہ تک حضرت نوحؑ کے تمام آثار کو اس نے اپنی دانست میں مٹا دیا تو خدا نے حضرت ابراہیمؑ کے ذریعہ پھر دنیا میں اپنا نور قائم کیا اور خدا کے عبد نظر آنے لگے لیکن ابراہیمی نور بھی آخر مدھم پڑ گیا اور خدا کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شکل میں اپنا نور ظاہر کرنا پڑا۔ حضرت موسیٰ کے بعد خدا تعالیٰ نے نبیوں کا سلسلہ تواتر کے ساتھ شروع کر دیا یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ آیا اور خدا تعالیٰ کا وجود جس کا اثر دلوں پر نہایت ہی کمزور ہو گیا تھا پھر اپنی عظمت کے ساتھ دنیا میں نظر آنے لگا۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے سلسلہ میں بھی کمزوری پیدا ہوئی پھر اللہ تعالیٰ کے نور کی روشنی مدھم پڑ گئی پھر شیطان نے اپنا سر اٹھایا تب خدا تعالیٰ نے اس آخری نور کو جو ہدایت اور راہ نمائی کا آخری سرچشمہ تھا یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات مبارکہ کو دنیا کی اصلاح کے لئے مبعوث فرمایا۔

رسول کریم ﷺ کو دشمنان دین حق کا مقابلہ جس سختی کے ساتھ کرنا پڑا اور جن تکالیف

میں سے آپ کو گزرنا پڑا ان سے تمام مسلمان واقف ہیں اور ہماری جماعت کے سامنے تو یہ مسئلہ کئی رنگوں میں آتا رہتا ہے۔ آپ آخری روشنی تھے جو ظاہر ہوئے آپ کے بعد کوئی نور ایسا آنے والا نہ تھا جو آپ کے نور سے منور نہ ہو۔ اسی طرح آپؐ کا ہدایت نامہ آخری ہدایت نامہ تھا یعنی پھر دنیا میں کوئی ایسی ہدایت آنے والی نہ تھی جو آپ کے ہدایت نامہ کے خلاف ہو لیکن آپؐ کے لئے بھی مقدر تھا کہ کچھ عرصہ کے بعد لوگ آپؐ کے لائے ہوئے نور سے بھی محروم ہو جائیں، پھر شیطان سر اٹھائے، پھر دنیا میں گمراہی پھیل جائے اور پھر ایسا فتنہ ظاہر ہو جو آپ کی لائی ہوئی تعلیم اور نیکی و ایمان کو خطرہ میں ڈال دے۔ بلکہ ایک ایسا فتنہ مقدر تھا جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ خود رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ مَا بَیْنَ خَلْقِ اٰدَمَ اِلٰی قِیَامِ السَّاعَۃِ اَکْبَرُ مِنْ اَمْرِ الدَّجَّالِ۔ [۳] یعنی ایک دجالی فتنہ ظاہر ہونے والا ہے کہ خلقِ آدم سے لے کر قیامت تک اس سے بڑا فتنہ کوئی ظاہر نہیں ہوا ہوگا۔ پس جس طرح رسول کریم ﷺ کا وجود سارے وجودوں سے بڑھ کر تھا جس طرح آپؐ کی لائی ہوئی تعلیم سب تعلیموں سے اکمل تھی ویسے ہی آپ کے بعد ایک ایسا فتنہ ظاہر ہونے والا تھا جو دنیا کے تمام فتنوں سے بڑا تھا۔ گویا ایک طرف جب آپ کے وجود میں رحمانی طاقتوں نے کامل طور پر ظہور کیا تو آپ کے مقابل پر جو فتنہ اٹھنے والا تھا اس میں شیطانی طاقتوں نے اپنا پورا زور صرف کرنا تھا۔ اس فتنہ کے مقابلہ کے لئے مقدر تھا کہ رسول کریم ﷺ کی روحانی اولاد اور آپ کے شاگردوں میں سے ایک شخص کو کھڑا کیا جائے اور اس کے ذریعہ اس دجال کا جس نے ایمان کو خطرہ میں ڈال دیا ہوگا سر کچلا جائے۔

ہم دیکھتے ہیں آج کوئی فتنہ اور کوئی شرارت ایسی نہیں جس کا وجود پہلے زمانوں میں پایا نہ جاتا ہو۔ اگر آج دہریت پائی جاتی ہے تو یہ ہر ملک اور ہر زمانہ میں پائی جاتی تھی۔ فلسفیانہ طور پر خدا تعالیٰ کے وجود کا انکار یونانیوں، ہندوستانیوں اور مصریوں میں پایا جاتا تھا اور مذہبی طور پر خدا تعالیٰ کے وجود کا انکار یونانیوں، ہندوستانیوں اور مصریوں میں پایا جاتا تھا اور مذہبی طور پر خدا تعالیٰ کے وجود کا انکار قریباً ہر ملک میں پایا جاتا تھا اور تمام ممالک میں ایسے لوگ ملتے تھے جو کہتے تھے کہ مذہبی طور پر خدا تعالیٰ کا وجود ثابت نہیں۔ اگر آج لوگ انبیاء کا انکار کرتے ہیں، وحیِ الٰہی کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور فسق و فجور میں مبتلاء رہتے ہیں تو اس قسم کے لوگ پہلے بھی ساری قوموں میں پائے جاتے تھے۔ پہلے بھی ایسے لوگ تھے جو انبیاء کا انکار کرتے

تھے، پہلے بھی ایسے لوگ تھے جو وحی الٰہی کو تسلیم نہ کرتے تھے، پہلے بھی ایسے لوگ تھے جو فسق و فجور میں مبتلاء رہتے تھے۔ اور پہلے بھی ایسے لوگ تھے جو دین سے بے اعتنائی کرتے تھے اور بد اخلاقیوں کے مرتکب ہوتے تھے، پھر وہ کیا چیز ہے دجالی فتنہ میں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا آدم سے لے کر قیامت تک کوئی فتنہ اس سے بڑا نہیں ہوگا۔ کوئی چیز اس فتنہ میں ہونی چاہئے جو پہلے دنیا میں موجود نہیں تھی۔ اس حقیقت کے معلوم کرنے کے لئے جب غور کرتے ہیں تو ہمیں دو چیزیں ایسی نظر آتی ہیں جو پہلے فتنوں میں موجود نہیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ پہلے زمانہ میں جو فتنے پیدا ہوتے تھے وہ مقامی ہوتے تھے مثلاً ہندوستان کا فتنہ مستقل ہوتا تھا وہ ایرانی فتنے سے متأثر نہیں ہوتا تھا اور ایرانی فتنہ مستقل ہوتا تھا وہ یونانی فتنہ سے متأثر نہیں ہوتا تھا، اسی طرح مصری فتنہ مستقل ہوتا تھا جو یونانی اور ایرانی فتنہ سے متأثر نہیں ہوتا تھا اس وجہ سے ان فتنوں کا دین پر متفقہ حملہ نہیں ہوتا تھا بلکہ ان کی مثال بالکل ایسی ہی ہوتی تھی جیسے ایک ملک میں ڈاکو لوٹ مار کر رہے ہوں اور کچھ ایک طرف سے حملہ آور ہوں کچھ دوسری طرف سے۔ ڈاکوؤں سے ملک کا امن بے شک خطرہ میں پڑ جائے گا مگر حکومت تباہ نہیں ہوگی حکومت منظم طاقتوں سے تباہ ہوا کرتی ہے۔ پس پہلے فتنوں اور موجودہ فتنہ میں فرق یہ ہے کہ یہ فتنہ ایک منظم تحریک کے ماتحت اپنا اثر پھیلاتا جا رہا ہے۔ جاپان گو عیسائی نہیں مگر اس کے خیالات کی رَو یورپ کے تابع ہے، چین گو عیسائی نہیں مگر اس کے خیالات یورپ کے تابع ہیں۔ اسی طرح ایران، ہندوستان، ترکستان اور عرب عیسائی نہیں ظاہراً مسلمان ممالک ہیں مگر ان کے خیالات کی رَو یورپ کے تابع ہے۔ غرض موجودہ زمانہ میں تمام تحریکات ایک سلک میں پروئی ہوئی اور ایک نظام کے ماتحت نظر آتی ہیں جس سے اس فتنہ کی مصیبت بہت بڑھ گئی ہے۔ پہلے انسان یہ خیال کرتا تھا کہ ایرانی یا یونانی کہتے ہے مگر اب یہ کہا جاتا ہے دنیا کا ہر معقول انسان یوں کہتا ہے۔ پہلے اگر کسی کے سامنے یہ کہا جاتا تھا کہ ایرانیوں کا یہ عقیدہ ہے تو سننے والا دل میں یہ کہہ سکتا تھا کہ شاید باقی دنیا کا عقیدہ اس کے خلاف ہو وہ مرعوب نہ ہوتا تھا اور عملاً بھی ایسا ہی ہوتا تھا یعنی ایک وقت میں ایک ہی بدی سارے عالم میں پھیلی ہوئی نہ ہوتی تھی۔ کسی ملک میں کوئی بدی ہوتی تھی تو کسی میں کوئی۔ اگر ہندوستان میں دہریت کی رَو تھی تو ایران میں بد عملی کی رَو تھی، یونان میں فلسفہ کی رَو تھی تو مصر میں مشرکانہ خیالات کی رَو تھی۔ پس ان کے اعتراض میں یکسانیت نہیں تھی اور مخالفت میں تنظیم نہیں پائی جاتی تھی۔ لیکن اس زمانہ میں تمام خیالات

ایک رَو اور ایک ہی سلک کے ماتحت ہیں جہاں سے کوئی تحریک اٹھتی ہے اس کا مقصد ایک ہی ہوتا ہے اور وہ یہ کہ دنیا کو خدا سے دور کردیا جائے۔ یہ چیز پہلے کبھی دنیا میں ایک وقت میں نظر نہیں آتی۔

دوسری چیز جو منفردانہ رنگ رکھتی ہے یہ ہے کہ پہلے جتنے حملے ہوتے تھے وہ فلسفیانہ ہوتے تھے اور فلسفہ کی ساری بنیاد واہمہ پر ہے۔ مگر اس وقت جتنے حملے ہوتے ہیں وہ سائنس کی بناء پر ہوتے ہیں اور سائنس کی بنیاد مشاہدہ پر ہے۔ فلسفیانہ اعتراضات کے جواب میں تو انسان بڑی دلیری سے کہہ سکتا ہے کہ یہ تمہارے ڈھکوسلے اور دل کے خیالات ہیں لیکن مشاہدہ پر بنیاد رکھتے ہوئے جب ایک سوال پیش کیا جائے تو اس وقت اس کا جواب دینا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ کہنا کہ "ایہہ جہان مٹھاتے اگلا کن ڈٹھا" کہ اس دنیا کی عیش و عشرت پر لطف ہے مرنے کے بعد جو کچھ ہوتا ہے وہ کس نے دیکھا ہے کہ وہاں آرام و آسائش میسر آسکے گی۔ ایک فلسفیانہ خیال ہے اور اسے سن کر ایک انسان متأثر ہو سکتا ہے مگر دوسرا یہ بھی تو کہہ سکتا ہے کہ یہ ایک کہاوت بنالی گئی ہے حقیقت کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ لیکن ذرات عالم کی بناوٹ پر اپنے خیالات کی بنیاد رکھتے ہوئے اور یہ ثابت کرتے ہوئے کہ دنیا کا ذرہ ذرہ ایک ایسی تنظیم کی صورت رکھتا ہے کہ کارخانہ عالم خود بخود چلتا چلا جاتا ہے۔ جب کہا جائے کہ اس دنیا کو چلانے کے لئے کسی بیرونی ہستی کی ضرورت نہیں تو یہ سوال ایک نیا رنگ اختیار کرلیتا ہے جو پہلے امر میں نہیں تھا۔

پھر پہلے خدا تعالیٰ کے وجود کے خلاف صرف فلسفی کھڑا ہوا کرتے تھے مگر اب علم النفس والے بھی کھڑے ہیں، علم ہندسہ والے بھی کھڑے ہیں، علم سائنس والے بھی کھڑے ہیں، علم طبقات الارض والے بھی کھڑے ہیں، علم ہیئت والے بھی کھڑے ہیں غرض تمام علوم مشترکہ طور پر ایک نتیجہ پیش کرتے ہیں اور یہ حملہ پہلے سے بہت زیادہ سخت ہے۔ پہلے یہ سمجھ لیا جاتا تھا کہ ایک فلسفی نے خدا تعالیٰ کی ہستی کا انکار کیا نہ معلوم اس کے قول میں سچائی ہے یا نہیں مگر اب یہ کہا جاتا ہے کہ جس رنگ میں دیکھو یہی نتیجہ نکلے گا کہ خدا نہیں۔ علم ہیئت سے دیکھو تو بھی یہی نتیجہ نکلے گا کہ خدا نہیں، علم حیات کے ماتحت دیکھو تو بھی یہی نتیجہ نکلے گا کہ خدا نہیں، علم طبقات الارض کے ماتحت دیکھو تب بھی یہی نتیجہ نکلے گا کہ خدا نہیں، اسی طرح اگر علم النفس کے ذریعہ خدا کو معلوم کرنا چاہو تب بھی یہی معلوم ہوگا کہ خدا نہیں، اگر علم ہندسہ کے ذریعہ

دیکھو تب بھی یہی معلوم ہو گا کہ خدا نہیں، اگر علم کیمیا کے ذریعہ دیکھو تب بھی یہی معلوم ہو گا کہ خدا نہیں۔

غرض تمام علوم ایک ہی طرف لگ گئے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جدھر سے نکلو تمہارا دھیان مکہ کی طرف ہونا چاہئے اسی طرح آج جدھر سے کفر اٹھتا ہے ایک ہی خیال اور ایک ہی آواز لے کر آتا ہے کہ دنیا کو کسی خدا کی ضرورت نہیں ہم آزاد ہیں۔ وہ تمام علوم جن کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی ہستی ثابت کی جاتی ہے آج ان کے ماتحت خدا تعالیٰ کا انکار کیا جاتا اور اس انکار کی بنیاد سائنس پر رکھی جاتی ہے۔ مثلاً رؤیا اور الہام ہیں جو خدا تعالیٰ کے وجود کا ثبوت ہیں پہلے یہ اعتراض کیا جاتا تھا کہ کیا خدا تعالیٰ کی زبان ہے جو وہ بولتا ہے۔ اس سوال کا آسانی سے جواب دیا جاسکتا تھا یا لوگ کہہ دیتے کہ خوابیں کیا ہیں؟ انسانی خیالات ہی ہیں۔ اس کا بھی آسانی سے رد کیا جاسکتا تھا لیکن آج خوابوں کے متعلق انسانی علوم نے اتنی تحقیق کی ہے کہ انسان گھبرا اٹھتا ہے۔ آج انسانی دماغ کی بناوٹ سے ثابت کیا گیا ہے کہ بغیر اس کے کہ خوابیں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوں انسانی دماغ بہت سی خوابیں دیکھتا اور پھر وہ خوابیں اپنے وقت پر پوری ہو جاتی ہیں۔ پس خوابوں کا پورا ہو جانا بھی یہ ثابت نہیں کرسکتا کہ دنیا کا کوئی خدا ہے کیونکہ مشاہدات کے ذریعہ انہوں نے اس کو باطل ثابت کیا ہے۔ گو وہ الہام جو مذہب کا آخری سہارا تھا اسے بھی دلائل کی رُو سے باطل ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ غرض آج کفر اپنے تمام ہتھیار استعمال کر رہا ہے اور یہ حملہ اپنی کمیت اور کیفیت کے لحاظ سے بے مثال ہے۔ پہلے حملوں میں آدمی کم ہوتے اور وہ متفرق طور پر حملہ کرتے تھے۔ ایرانی اور رنگ میں حملہ کرتا تھا اور جاپانی اور رنگ میں مگر اب تمام دنیا متفقہ طور پر حملہ کرتی اور ایک ہی محاذ پر جنگ لڑتی ہے۔ پھر پہلے حملے فلسفہ تک محدود تھے مگر اب علم معیشت کے ماتحت بھی حملہ کیا جاتا ہے، علم حیات کے ماتحت بھی حملہ کیا جاتا ہے، علم النفس کے ماتحت بھی حملہ کیا جاتا ہے غرض جتنے رائج الوقت علوم ہیں ان سب کو استعمال کیا جاتا ہے۔ پس اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اس فتنہ کے برابر دنیا کا کوئی فتنہ نہیں۔ اس عظیم الشان فتنہ کے متعلق جب رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ! اس کا کیا علاج ہو گا اور وہ کون لوگ ہوں گے جو اس بے مثال فتنہ کا مقابلہ کریں گے جو پھر خدا تعالیٰ کی طرف لوگوں کی توجہ کو پھیرا دیں گے، پھر ایمان دنیا میں از سرِ نو قائم کر دیں گے، پھر مخلوق کو اس کے خالق سے ملا دیں گے تو رسول کریم

ﷺ نے سلمان فارسیؓ کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا اور فرمایا۔ لَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَیَّا لَنَالَهٗ رَجُلٌ مِنْ ھٰٓؤُلَاءِ۔ ؎۴ اور بعض جگہ رجال من فارس کے الفاظ آتے ہیں یعنی ایمان اگر ثریا سے بھی معلق ہو جائے گا تب بھی سلمان فارسی کی نسل یعنی اہل فارس میں سے کچھ لوگ ایسے کھڑے ہو جائیں گے جو ایمان کو دنیا میں قائم کر دیں گے۔ اس بہت بڑے فتنے کا ذکر کرکے جس کے سننے کے بعد صحابہؓ کے ہوش اڑ گئے تھے اور وہ اس قدر خوفزدہ ہوئے تھے کہ ایک دفعہ رسول کریم ﷺ نے دجال کا ذکر کیا اور اس کے فتن کی تفصیلات بیان کیں اور اس کے بعد آپ گھر تشریف لے گئے اور کئی گھنٹے کے بعد جب آپ واپس تشریف لائے تو آپؐ نے دیکھا کہ صحابہؓ کے رنگ اڑے ہوئے ہیں اور وہ سخت پریشانی کی حالت میں بیٹھے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ تم کو کیا ہوا کہ اس طرح گھبرائے ہوئے ہو؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے بیان نے تو ہماری جانیں نکال دیں ہم نہیں سمجھتے کہ اتنے بڑے فتنے کے بعد ایمان کے بچاؤ کی صورت کیا ہوگی۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب دجال آیا اگر اس وقت میں زندہ ہوا تو اَنَا حَجِیْجُهٗ۔ ؎۵ میں تمہاری طرف سے اس سے بحث کروں گا اور اگر میں زندہ نہ ہوا تو ہر مؤمن اپنی اپنی طرف سے لڑے۔

یہ جو فرمایا کہ اگر میں زندہ ہوا تو تمہاری طرف سے اس سے بحث کروں گا در اصل اس سے بھی وہی مراد ہے جو سورہ جمعہ کی آیت وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ ؎۶ سے مراد ہے یعنی رسول کریم ﷺ کا بروز کامل۔ آپ کا مطلب یہ تھا کہ اگر اس وقت ایسا شخص مبعوث ہو چکا ہو جسے میرا وجود کہا جاسکے تو وہ اس دجال کا مقابلہ کرے گا۔ ورنہ سوائے اس کے اور کوئی صورت نہ ہوگی کہ مسلمان اس دجال سے لڑ کر مر جائیں۔

اس عظیم الشان فتنہ کے مقابلہ کے لئے رسول کریم ﷺ نے یہ پیشگوئی کی ہے یا یوں کہنا چاہئے کہ اپیل کی ہے کہ میں یہ امید کرتا ہوں کہ جب یہ فتنہ عظیم پیدا ہوگا تو اہل فارس میں سے کچھ لوگ ایسے کھڑے ہو جائیں گے جو تمام قسم کے خطرات اور مصائب کو برداشت کرتے ہوئے پھر دنیا میں ایمان قائم کر دیں گے۔ میں سمجھتا ہوں یہ خالی پیشگوئی ہی نہیں بلکہ رسول کریم ﷺ کی ایک آرزو ہے، ایک خواہش ہے ایک امید ہے اور یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ خدا کا رسول ابنائے فارس سے کیا چاہتا ہے۔ اس فتنہ سے خطرات کے لحاظ سے بہت کم، نتائج کے لحاظ سے بہت کم، زمانہ اور اثرات کے لحاظ سے بہت کم، رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں بھی فتنہ

اٹھا۔ صحابہؓ نے اس وقت جو نمونہ دکھایا وہ تاریخ کی کتابوں میں آج تک لکھا ہے رسول کریم ﷺ ایک جنگ میں جو فتح مکہ کے بعد ہوئی شامل ہوئے وہ لوگ جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے اور ابھی ایمان ان کے دلوں میں پوری مضبوطی سے قائم نہیں ہوا تھا وہ اور ان کے علاوہ کچھ کافر رسول کریم ﷺ کے پاس آئے اور انہوں نے کہا۔ یارسول اللہ ﷺ! ہمیں بھی اس لشکر میں شامل ہونے کی اجازت دیجئے جس نے ہوازن کا مقابلہ کرنا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے انہیں شامل ہونے سے روکا مگر جب انہوں نے زیادہ اصرار کیا تو آپ نے شامل ہونے کی اجازت دے دی۔ دس ہزار کا لشکر تو وہ تھا جس نے مکہ فتح کیا تھا اور دو ہزار یہ لوگ تھے۔ ے گویا دس بارہ ہزار کا لشکر میدان جنگ میں چل پڑا۔ جس وقت ہوازن کے قریب پہنچے تو وہاں ایک درہ تھا جس کے گرد طائف کی اقوام نے اپنے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے اور اچھے ہوشیار تیرانداز سڑک کے دونوں طرف چل پڑے تھے۔ صحابہؓ کا دس ہزار کا لشکر وہ تھا جس کا ایک ایک شخص کئی کئی کفار کا مقابلہ کرچکا تھا اور اس لحاظ سے ہوازن کا مقابلہ ان کے لئے مشکل نہیں تھا لیکن اب دو ہزار کمزور ایمان والے بھی ان میں شامل ہوگئے تھے۔ ایسے لوگ ان میں شامل ہوگئے تھے جن کے دلوں میں کبر اور غرور موجود تھا اور جو ایک دوسرے کی طرف دیکھ دیکھ کر کہتے تھے کہ یہ مدینہ والے لڑائی کیا جانیں اور پھر وہ اپنے ساتھیوں کو آواز دیتے ہوئے کہتے اے مکہ والو! آج جرأت اور شجاعت دکھانے کا دن ہے۔ اس غرور اور تکبر کی حالت میں جونہی وہ تیراندازوں کی زد میں پہنچے ہوازن کے تجربہ کار تیراندازوں نے بے تحاشا ان پر تیروں کی بارش شروع کردی۔ یہ دیکھتے ہی ان کی ساری بہادری جاتی رہی اور وہ ڈر کر میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔ دو ہزار گھوڑوں کا صفوں کو چیرتے ہوئے گزرنا کوئی معمولی امر نہیں تھا نتیجہ یہ ہوا کہ باقی دس ہزار آدمیوں کے گھوڑے بھی بدک گئے اور بے تحاشا بھاگنے لگ گئے یہاں تک کہ صرف بارہ آدمی رسول کریم ﷺ کے پاس رہ گئے۔ اسلامی لشکر اس وقت کسی بزدلی کی وجہ سے میدان جنگ سے نہیں بھاگا بلکہ اس لئے بھاگا کہ دو ہزار گھوڑوں کے بھاگنے نے ان کے گھوڑوں کو مرعوب کردیا اور وہ بھی میدان میں ٹھہر نہ سکے۔ ایک صحابی کا بیان ہے ہم اپنے گھوڑوں کو روکنے کے لئے ان کی باگیں کھینچتے اور اتنے زور سے کھینچتے کہ ان کی گردنیں ٹیڑھی ہوجاتیں مگر جونہی باگ ڈھیلی ہوتی وہ پھر بھاگ پڑتے۔ ہم حیران تھے کہ کیا کریں۔ اتنے میں رسول کریم ﷺ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور دشمن کی طرف بڑھنا

شروع کیا اس وقت بعض صحابہ نے آپ کے گھوڑے کی باگ پکڑلی اور کہا یا رسول اللہ ﷺ ! یہ خطرے کا وقت ہے اب مناسب نہیں کہ آپ آگے بڑھیں مگر رسول کریم ﷺ نے فرمایا مجھے چھوڑ دو نبی پیچھے نہیں ہٹا کرتا پھر آپ نے بلند آواز سے کہا۔

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ۔ ؎۸

میں نبی ہوں جھوٹا نہیں میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ پھر آپ نے کہا۔ عباسؓ! بلند آواز سے کہو کہ اے انصار! خدا کا رسول ﷺ تمہیں بلاتا ہے۔ اس وقت آپ نے مکہ والوں کو آواز دینے کے لئے نہ کہا کیونکہ مکہ والے ہی تھے جنہوں نے اس جنگ میں فتح کو شکست سے بدل دیا تھا پس آپ نے انصار کو مخاطب کیا اور حضرت عباسؓ سے کہا کہ انصار کو آواز دو کہ خدا کا رسول تمہیں بلاتا ہے۔ حضرت عباسؓ کی آواز بہت بلند تھی جب انہوں نے زور سے کہا کہ اے انصار! خدا کا رسول ﷺ تمہیں بلاتا ہے تو صحابہؓ کہتے ہیں یا تو ہماری یہ حالت تھی کہ ہم گھوڑے موڑتے تھے اور وہ نہیں مڑتے تھے جونہی یہ آواز بلند ہوئی کہ اے انصار! خدا کا رسول ﷺ تمہیں بلاتا ہے ہمیں یوں معلوم ہوا کہ قیامت کا دن ہے اور صور اسرافیل پھونکا جارہا ہے۔ ہم میں سے جو شخص اپنی سواری کو لوٹا سکا اس نے واپس لوٹا کر اور جس نے دیکھا کہ اس کی سواری نہیں مڑتی اس نے تلوار سے اس کی گردن کاٹ کر رسول کریم ﷺ کی طرف بڑھنا شروع کیا یہاں تک کہ چند منٹ میں ہی میدان لشکر اسلامی سے بھر گیا۔ ؎۹ یہ وہ آواز تھی جو خدا کے رسول ﷺ نے دی۔ اور اس کی قدر انصار نے یہ کی کہ جس وقت یہ آواز ان کے کانوں میں پہنچی انہوں نے کسی چیز کی پرواہ نہ کی۔ اگر ان میں سے کسی کی سواری مڑ سکی تو سواری پر چڑھ کر ورنہ اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کی گردنیں اڑاتے ہوئے چند منٹ میں ہی رسول کریم ﷺ کی آواز پر جمع ہوگئے۔

اس آواز سے زیادہ شان کے ساتھ، اس آواز سے زیادہ یقین کے ساتھ، اس آواز سے زیادہ اعتماد کے ساتھ، اس آواز سے زیادہ محبت کے ساتھ، اس آواز سے زیادہ امید کے ساتھ، خدا کے رسول ﷺ نے ۱۳ سو سال پہلے کہا تھا۔ لَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَیَّا لَنَالَهٗ رِجَالٌ مِّنْ اَبْنَاءِ فَارَسْ۔ ؎۱۰ وہ وقت جب میری امت پر آئے گا، جب اسلام مٹ جائے گا، جب دجال کا فتنہ روئے زمین پر غالب آجائے گا، جب ایمان مفقود ہو جائے گا، جب رات کو

انسان مؤمن ہوگا اور صبح کافر، صبح مؤمن ہوگا اور شام کو کافر اس وقت میں امید کرتا ہوں کہ اہل فارس میں سے کچھ لوگ ایسے کھڑے ہو جائیں گے جو پھر اس آواز پر جو میری طرف سے بلند ہوئی ہے لبیک کہیں گے پھر ایمان کو ثریا سے واپس لائیں گے۔ ان الفاظ میں رسول کریم ﷺ نے خالی رَجُلٌ نہیں کہا بلکہ رِجَالٌ کہا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اشاعت اسلام کی ذمہ داری رجل فارس پر ہی ختم نہیں ہو جائے گی بلکہ اس کی اولاد پر بھی وہی ذمہ داری عائد ہوگی اور ان سے بھی رسول کریم ﷺ اسی چیز کی امید رکھتے ہیں جس کی امید آپ نے رجل فارس سے کی۔ یہ وہ آواز ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے اس ناامیدی کی تصویر کھینچنے کے بعد جس سے صحابہ کے رنگ اڑ گئے اور ان کے دل دھڑکنے لگ گئے تھے ان کے دلوں کو ڈھارس دینے کے لئے بلند کی اور یہ وہ امید و اعتماد ہے جس کا آپ نے ابنائے فارس کے متعلق اظہار کیا۔ میں آج اس امانت اور ذمہ داری کو ادا کرتا ہوں اور آج ان تمام افراد کو جو رجل فارس کی اولاد میں سے ہیں رسول کریم ﷺ کا یہ پیغام پہنچاتا ہوں۔ رسول کریم ﷺ نے امت محمدیہ کی تباہی کے وقت امید ظاہر کی ہے کہ لَنَالَهٗ رِجَالٌ مِّنْ فَارِسْ اور یقین ظاہر کیا ہے کہ اس فارسی النسل موعود کی اولاد دنیا کی لالچوں، حرصوں اور ترقیات کو چھوڑ کر صرف ایک کام کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دے گی اور وہ کام یہ ہے کہ دنیا میں اسلام کا جھنڈا بلند کیا جائے۔ ایمان کو ثریا سے واپس لایا جائے اور مخلوق کو آستانہ خدا پر گرایا جائے۔ یہ امید ہے جو خدا کے رسول نے کی۔ اب میں ان پر چھوڑتا ہوں وہ اس کا کیا جواب دیتے ہیں۔ خواہ میری اولاد ہو یا میرے بھائیوں کی وہ اپنے دلوں میں غور کر کے اپنے فطرتوں سے دریافت کریں کہ اس آواز کے بعد ان پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ اس وقت دنیا اپنی تمام خوبصورتیوں کے ساتھ ننگی ہو رہی ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس وقت خدا تعالیٰ کی حالت نعوذباللہ اس کوڑھی کی سی ہے جسے گھر سے باہر پھینک دیا گیا ہو۔ آج دین کا ساتھ دینے والا کوئی نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ ؎

بیکسے شد دین احمد ہیچ خویش و یار نیست
ہر کسے در کار خود بادین احمد کار نیست

اسی طرح فرماتے ہیں۔ ؎

ہر طرف کفر است جوشاں ہمچو افواج یزید
دین حق بیمار و بیکس ہمچو زین العابدین

اُن حالات میں ان پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور ان کے دلوں میں کس قسم کے احساسات ہونے چاہئیں یہ ہر شخص اپنے ظرف کے مطابق خود سمجھ سکتا ہے۔

میں جانتا ہوں کہ جب ایک کمزور انسان کسی کو بلندی پر گامزن دیکھتا جب ایک دولت مند کی دولت اور عہدہ دار کے عہدہ پر نظر ڈالتا ہے تو اس کے دل میں لالچ آتا ہے اور وہ کہہ اٹھتا ہے کہ میں بھی کیوں ایسا نہ بنوں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ بے شک ایسا ہوتا ہے مگر یہ ساری چیزیں اس وقت بھی تھیں جب ہوازن کے سامنے صحابہؓ صف آراء تھے۔ ان کے سامنے ان کے بیوی بچے تھے ان کے سامنے بھی یہ بات تھی کہ اگر وہ ہوازن کے تیراندازوں کے سامنے ہوئے تو ان کے سینے چھلنی ہو جائیں گے اور وہ چند منٹوں میں ہی خاک و خون میں لوٹیں گے مگر ان تمام امور کے باوجود انہوں نے رسول کریم ﷺ کی آواز پر اپنی بیویوں اور بچوں کو بھلا دیا اور ایک ہی مقصد اپنے سامنے رکھا کہ جس طرف خدا کا رسول بلاتا ہے اسی طرف جائیں۔

آج دجالی فتنہ جس رنگ میں دنیا پر غالب ہے اس کی تصویر کھینچنے کی مجھے ضرورت نہیں۔ کوئی چیز آج اسلام کی باقی نہیں نہ تمدنی احکام قائم ہیں، نہ سیاسی احکام قائم ہیں، نہ اقتصادی احکام قائم ہیں اور نہ شخصی احکام قائم ہیں، ہر چیز میں آج تبدیلی کردی گئی ہے۔ پس جب تک اسے مٹانے کے لئے ہمارے اندر دیوانگی نہ ہوگی، جب تک ہمیں اس تہذیب مغربی سے بغض نہیں ہوگا اتنا بغض کہ اس سے بڑھ کر ہمیں کسی اور چیز سے بغض نہ ہو اس وقت تک ہم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ ہم میں سے جو بھی شخص مغربی تہذیب کا دلدادہ ہے، جو بھی اس تہذیب سے متأثر ہے وہ روحانی میدان کا اہل نہیں۔ جس تہذیب نے اسلامی تمدن کی شکل کو بدل دیا جب تک اس کی ایک ایک اینٹ کو ہم ریزہ ریزہ نہ کردیں کبھی چین اور اطمینان کی نیند سو نہیں سکتے۔ وہ لوگ جو یورپ کی نقالی کرتے ہیں، جو مغربیت کی رَو میں بہتے چلے جاتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ ہمارے تن بدن میں تو ان کی ہر چیز کو دیکھ کر آگ لگ جانی چاہئے کیونکہ ہم اور مغربیت ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے یا ہم زندہ رہیں گے یا مغربیت زندہ رہے گی۔

یہ مت خیال کرو کہ ہم تو انگریزوں کے دوست ہیں پھر مغربیت کے متعلق میں ایسے خیال کیوں رکھتا ہوں کیونکہ انگریز اور مغربیت میں فرق ہے۔ انگریز انسان ہیں اور ایسے ہی انسان

ہیں جیسے کہ ہم اور اس لحاظ سے انگریز ہدایت پاسکتے ہیں لیکن مغربیت ہدایت نہیں پاسکتی وہ شیطان کا ہتھیار ہے اور جب تک اسے توڑا نہیں جائے گا دنیا میں امن قائم نہیں ہو سکتا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں سے اگر کوئی شخص مغربیت کی نقل کا ذرہ بھی مادہ اپنے اندر رکھتا ہے تو وہ مسیح موعودؑ کا حقیقی بیٹا نہیں کہلا سکتا کیونکہ اس نے اس آواز کو نہیں سنا جسے پھیلانے کے لئے حضرت مسیح موعود مبعوث ہوئے۔ پس میں وضاحت سے ان کو یہ پیغام پہنچاتا ہوں اور وضاحت سے ہر ایک کو ہوشیار کرتا ہوں کہ میں ہر ایسے خیال اور ہر ایسے شخص سے بیزار ہوں جس کے دل میں مغربیت کی نقل کا ذرہ بھی مادہ پایا جاتا ہے اور جو دین کی خدمت کرنے کے لئے تیار نہیں خواہ وہ میرا بیٹا ہو یا میرے کسی عزیز کا۔ لیکن میں نے ہمیشہ یہ دعا کی ہے اور متواتر کی ہے کہ اگر میرے لئے وہ اولاد مقدر نہیں جو دین کی خدمت کرنے والی ہو تو مجھے اولاد کی ضرورت نہیں اور میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس دعا کی آخر دم تک توفیق عطا فرمائے۔ ہمارے سامنے ایک فتنہ ہے اتنا بڑا فتنہ کہ اس کے برابر دنیا میں اور کوئی فتنہ نہیں اگر ہم اس کام کی سرانجام دہی کے لئے کھڑے نہیں ہو جاتے اور اس فتنہ کے مقابلہ کی ضرورت دلوں میں محسوس نہیں کرتے تو میں سمجھ نہیں سکتا کہ ہم دنیا میں ذرہ سی عزت کے بھی مستحق ہو سکتے ہیں۔

اس وقت اسلام کے مقابل پر بیسیوں جھنڈے بلند ہیں جب تک وہ تمام جھنڈے سرنگوں نہیں ہو جاتے، جب تک تثلیث کا جھنڈا سرنگوں نہیں ہو جاتا، جب تک بت پرستی کا جھنڈا سرنگوں نہیں ہو جاتا، جب تک اسلام کے سوا باقی تمام جھنڈے سرنگوں نہیں ہو جاتے، جب تک سب دنیا میں تکبیر کے نعرے بلند نہیں ہو جاتے ہم کبھی اپنے فرائض کو پورا کرنے والے سمجھے نہیں جا سکتے۔ یہ وہ چیز ہے جس کو میں آج پیش کرتا ہوں اور اگرچہ میں پہلے بھی اسے پیش کرتا رہا ہوں لیکن کچھ دنوں سے ایک طاقت مجھے مجبور کر رہی ہے کہ میں واضح طور پر پھر یہ بات پیش کردوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے الہاماً فرمایا ہے۔ سَلَامٌ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ صَافَیْنَاہُ وَنَجَّیْنَاہُ مِنَ الْغَمِّ۔ تَفَرَّدْنَا بِذَالِکَ فَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاھِیْمَ مُصَلًّی۔ ۱؎

ابراہیم یعنی مسیح موعودؑ پر خدا تعالیٰ کی طرف سے سلامتی ہو۔ صافیناہ ہم نے اسے اپنے لئے خالص کر لیا وَنَجَّیْنَاہُ مِنَ الْغَمِّ اور ہم نے اسے غم سے نجات دی تَفَرَّدْنَا بِذَالِکَ یہ

سارا کام ہم نے خود کیا فَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى پس اے ابراہیم سے تعلق رکھنے والو! اس چیز کو اپنا مقام بناؤ جس کو ابراھیم نے بنایا تھا۔ وہ مقام کیا ہے؟ اس کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں کھولا ہے رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ، رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ۔ ؁ حضرت ابراھیم علیہ السلام دعا کرتے ہوئے کہتے ہیں اے میرے رب! میں نے اپنی اولاد کو ایک ایسی وادی میں لا بسایا ہے جس میں کوئی کھیتی نہیں ہوتی۔ اے میرے رب! اس لئے کہ تاوہ اس وادی میں رہتے ہوئے دنیا کے تمام جھگڑوں اور دنیا کے کمانے کے جھمیلوں سے آزاد رہیں۔ اے خدا تو ان کے دلوں کو ایسا بنا کہ یہ تیری عبادت کرنے والے اور تیرے نام کو دنیا مین بلند کرنے والے ہوں۔ مگر اے خدا یہ بھیک کا ٹھیکرا لے کر دوسروں کے پاس نہ جائیں بلکہ تیری طرف سے عزت والا رزق انہیں ملے تا ان کے دلوں میں تشکر کا جذبہ پیدا ہو اور یہ کہیں کہ ہم تو دنیا کی طرف نہیں گئے تھے مگر خدا تعالیٰ دنیا کو ہماری طرف کھینچ لایا۔ یہ وہ ابراہیمی مقام ہے جسے خدا تعالیٰ نے ہمارے سامنے رکھا۔ یہاں گو ظاہری طور پر وادی غیر ذی زرع نہیں لیکن روحانی طور پر اب بھی موجود ہے۔ زرع والی وادی کون سی ہوتی ہے؟ وہی جہاں لوگ ملازمتیں کرتے اور دنیا کمانے کی جدوجہد کرتے ہیں۔ مگر جب انسان ان کاموں کو چھوڑ دیتا ہے جن سے دنیا کمائی جائے تو وادی غیر زرع میں چلا جاتا ہے پس ابراہیمی مقام جس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کھڑا کیا گیا اور آپ کی اولاد سے جس مقام پر کھڑے رہنے کی امید کی گئی یہ ہے کہ وہ دنیا کمانے کے خیالات سے علیحدہ ہو کر صرف دین کے پھیلانے کے لئے اپنے آپ کو وقف کردیں۔ تب خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہوگا کہ وہ خود لوگوں کو ان کی طرف کھینچ کر لائے گا اور آپ ان کے لئے رزق کا سامان مہیا فرمائے گا۔

میرے اس بیان سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں کہ جو سلسلہ کی ضرورتوں کے لئے نوکری کریں لیکن ان کو اپنے اخلاص سے ثابت کرنا چاہئے کہ وہ دنیا کو نفس کی خاطر نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی خاطر قبول کر رہے ہیں۔ یعنی انہیں ہر وقت پابرکاب رہنا چاہئے کہ جب ان کی ضرورت دین کو ہو سب کچھ چھوڑ کر دین کی خدمت کے لئے آجائیں۔

نادان کہتے ہیں کہ انگریز کی نوکری کرنے سے روٹی ملتی ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ خدا کی

نوکری کرنے سے انسان کو روٹی ملتی ہے۔ لیکن اگر فرض بھی کرلیا جائے کہ دین کی نوکری کرنے سے انسان کو ذلیل روٹی ملتی ہے تو کیا ہم نے خدا تعالیٰ کے رسول کے ہاتھ پر یہ عہد نہیں کیا کہ اگر دین کے لئے ہمیں ذلت بھی برداشت کرنی پڑے گی تو ہم برداشت کریں گے۔ گو میرے نزدیک دینی خدمت کے ذریعہ روٹی کھانا ذلت نہیں ذلت دنیا کی نوکریوں میں ہے نہ کہ خدا کی نوکری میں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق کاہلواں (قادیان کے قریب ایک گاؤں) کے ایک سکھ نے مجھے سنایا کہ ایک دفعہ بڑے مرزا صاحب نے ہمیں بلا کر کہا غلام احمد کو جاکر سمجھاؤ کہ کوئی نوکری کرلے ورنہ میرے مرنے کے بعد اسے اپنے بڑے بھائی کے ٹکڑوں پر بسر کرنی ہوگی۔ وہ کہتا میں ان کے پاس گیا اور کہا آپ کے والد صاحب ناراض ہوتے ہیں آپ نوکری کیوں نہیں کرتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ سنتے ہی ہنس پڑے اور فرمانے لگے والد صاحب کو یونہی فکر ہے میں نے تو جس کا نوکر ہونا تھا ہوگیا۔ وہ سکھ یہ سن کر واپس چلا گیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے والد صاحب سے کہنے لگا وہ کہتے ہیں جس کا نوکر میں نے ہونا تھا ہوچکا ہوں۔ یہ سن کر باوجود دنیاداری کے خیالات کے انہوں نے ایک آہ بھری اور کہنے لگے کہ اگر وہ کہتا ہے کہ میں نوکر ہوگیا ہوں تو ٹھیک کہتا ہے وہ جھوٹ بولنے والا نہیں۔

غرض ابراہیمی نسل ہونے کے لحاظ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اولاد کا فرض ہے کہ وہ اپنی زندگی اس طرح بسر کرے کہ گویا وادی غیرذی زرع میں رہتی ہے اور اپنے آپ کو دین کے لئے وقف کردے لیکن ہر کام تیاری سے آتا ہے اگر ہم کام وہ کرنا چاہیں جو رحمانی ہو لیکن طرز ہماری وہ ہو جو شیطانی ہو تو ہم کس طرح کامیاب ہوسکتے ہیں دنیا اس وقت امارت اور حکومت کے خیالات میں مبتلاء ہے، دنیا اس وقت تکلفات میں مبتلاء ہے، دنیا اس وقت مغربی تہذیب کی دلدادہ ہو رہی ہے اگر ہم عملاً اس تہذیب اور اس امارت اور حکومت کی طرف جائیں تو ہمارے ارادوں میں برکت کس طرح ہوسکتی ہے۔ شیطان کا گلا گھونٹنے کے لئے شیطانی ہاتھ کام نہیں آیا کرتا بلکہ شیطان کا گلا رحمانی ہاتھوں سے گھونٹا جاتا ہے۔ پس جب تک ان امنگوں سے انسان عاری نہ ہوجائے جو اپنے اندر دنیادارانہ رنگ رکھتی ہیں اس وقت تک انسان دین کے کام کا اہل نہیں سمجھا جاسکتا۔ اسلام اسی وجہ سے دنیا میں کامیاب ہوا کہ اس نے محبت و پیار کو قائم کیا۔ اور امارت و غربت کے امتیازات کو مٹا دیا۔ آئندہ بھی اگر اسلام کامیاب

ہو گا تو اسی وجہ سے۔ پس وہ شخص جو نوابی کے خیالات اپنے اندر رکھتا ہے جو خادمیت کے لئے اپنے نفس کو تیار نہیں پاتا تو میں نہیں سمجھ سکتا وہ کس طرح کامیاب ہو سکتا ہے۔ ہاں خادمیت کے بعد اگر خدا تعالیٰ کسی مقام پر انسان کو خود بٹھاتا ہے تو وہ دوسری بات ہے۔

سید عبدالقادر صاحب جیلانیؒ فرماتے ہیں بعض دفعہ خدا تعالیٰ مجھے کہتا ہے اے عبدالقادر! تجھے میری ذات کی قسم تو اچھے سے اچھا کپڑا پہن اور میں پہن لیتا ہوں۔ بعض دفعہ کہتا ہے اے عبدالقادر جیلانی! تجھے میری ذات کی قسم تو اچھے سے اچھا کھانا کھا اور میں کھالیتا ہوں۔ یہی مقام ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ملا۔ آپ کو بھی خدا تعالیٰ نے عبدالقادر کہا اور ایک رؤیا میں میرا نام بھی عبدالقادر رکھا گیا ہے۔ اس کے یہی معنے ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ کہے کہ اچھا کھانا کھاؤ تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اچھا کھائیں اور وہ کہے کہ اچھا کپڑا پہنو تو ہمارا فرض ہے کہ اچھا کپڑا پہنیں۔ اسی طرح اگر وہ کہے کہ معمولی کپڑا پہنو تو یہ بھی ہمارا فرض ہے کہ اس حکم کی بھی اطاعت کریں۔ پس ہماری کامل فرمانبرداری خدا کے لئے ہو۔ اگر وہ کہے کہ آسمان پر بیٹھو تو ہم آسمان پر بیٹھ جائیں اگر وہ کہے کہ تحت الثریٰ میں چلے جاؤ تو ہم تحت الثریٰ میں چلے جائیں۔ وہی ابراہیم والا مقام حاصل ہو کہ خدا نے انہیں کہا اَسْلِمْ انہوں نے کہا اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ [۳] ہمیں اس سے کوئی غرض نہ ہو کہ ہم دکھ میں پڑتے ہیں یا سکھ میں، ہمیں عزت حاصل ہوتی ہے یا ذلت بلکہ ہم دیکھیں کہ ہمارا خدا ہم سے کیا چاہتا ہے۔ پھر جس رنگ میں وہ ہمیں رکھنا چاہے اسی میں ہم خوش رہیں۔ جیسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آخری وقت کا یہ الہام ہے جس کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ آپ کے خاندان کے متعلق ہی ہے کہ

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

یعنی اے خدا! اب میں دنیا سے جاتی دفعہ اپنا اہل و عیال تیرے سپرد کرتا ہوں تو جس حالت میں چاہے انہیں رکھیو چاہے تو اونچے مقام پر رکھ چاہے تو نیچے مقام پر۔ یہ چیز ہے جسے ہر وقت اپنے سامنے رکھنا ہمارا کام ہے اور جب تک ہماری اولادیں اس مقصد کو اپنے سامنے نہیں رکھتیں وہ ان انعامات کو حاصل نہیں کر سکتیں جو حضرت مسیح موعودؑ کی اولاد کے لئے مقدر ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ ظاہری اولاد کو بھی ایک فخر حاصل ہوتا ہے لیکن وہ فخر اسی وقت تک

ہوتا ہے جب تک وہ دین کے راستہ پر گامزن رہتی ہے۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ سے ایک دفعہ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! عرب قبائل میں سے بڑے کون ہیں؟ آپ نے فرمایا جو بحالت کفر بڑے تھے وہی اب بھی بڑے ہیں بشرطیکہ ان میں نیکی پائی جاتی ہو اور انہوں نے اسلام قبول کرلیا ہو۔ ۱۴؎ بے شک خاندانی بڑائی بھی ہوتی ہے مگر وہ مشروط ہوتی ہے نیکی اور تقویٰ کے ساتھ۔ اگر وہ اس امر کی پرواہ نہیں کرتے اور اگر وہ دنیا کے کیڑوں اور کتوں کی طرح دنیا پر گرے جاتے ہیں تو وہ دوسروں سے زیادہ سزا کے مستحق ہوتے ہیں۔

اس میں شبہ نہیں۔ یہ خدا کا کام ہے اور اگر ہم اس کام کو نہیں کریں گے تو اور لوگ کھڑے کردیئے جائیں گے۔ لیکن وہ دن بدترین دن ہوگا جب خدا کہے گا کہ رجال فارس نے اشاعت دین سے اپنا منہ موڑ لیا آؤ اب ہم دوسروں کو یہ کام کرنے کا موقع دیں۔ یہ خدا کا دین ہے اور اس کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں کام کرنے کا موقع دیا ورنہ وہ شخص جو یہ سمجھتا ہے کہ وہ قربانی کررہا ہے تو چاہے وہ کام کرتے کرتے مٹی میں مل جائے اور منہ سے مؤمن ہونے کا دعویٰ کرے وہ منافق ہے کیونکہ اس نے خدا تعالیٰ کی عطا کو قربانی کا نام دیا قربانی کرنے والا ہمیشہ اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی۔ ۱۵؎

پس ہمیں دین کی خدمت کرتے ہوئے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ہم قربانی کررہے ہیں بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کا احسان ہے کہ وہ ہم سے کام لے رہا ہے۔ اگر تم اس حقیقت کو نہیں سمجھتے، اگر تم دین کے لئے فقیر ہونا برداشت نہیں کرسکتے، اگر تم دین کے لئے بھیک مانگنا پسند نہیں کرسکتے، اگر تم دینی خدمت کو ہفت اقلیم کی بادشاہی سے زیادہ اعزاز والا کام نہیں سمجھتے تو تمہارے اندر ایک جو کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں سمجھا جاسکتا۔ لوگ کہتے ہیں سوال بری چیز ہے اور میں بھی سمجھتا ہوں کہ سوال بری چیز ہے لیکن اگر خدا اور اس کے دین کے لئے ہمیں سوال کرنا پڑے تو یہ کام بھی ہمارے لئے عزت کا کام ہے۔

پس یہ مت خیال کرو کہ تم دین کی خدمت کرکے کوئی قربانی کررہے ہو۔ یہ خدا کا احسان ہے جو تم سے کام لے رہا ہو مگر مجھے افسوس ہے میں نے بعضوں کو دیکھا ہے وہ اپنے نفس میں یہ سمجھتے ہیں کہ وہ قربانی کررہے ہیں اور کہتے ہیں آؤ اب فلاں قربانی بھی کرلیں حالانکہ اگر کسی شخص کے سامنے پلاؤ زردہ، کباب اور مرغ وغیرہ پکا ہوا پڑا ہو اور دال بھی ہو تو کیا وہ کہا کرتا ہے

کہ آج قربانی کر کے ہم مرغ کھالیتے ہیں۔ اگر کوئی ایسا کہتا ہے تو دو باتوں میں سے ایک ضرور ہوگی یا تو وہ فریب خوردہ ہے یا پاگل ہوگا کیونکہ یا تو پاگل یہ کہہ سکتا ہے کہ دال چھوڑ کر پلاؤ وغیرہ کھانا قربانی ہے یا فریب خوردہ شخص جو اصلیت سے ناواقف ہو اس طرح کہہ سکتا ہے۔ اگر دین کوئی قیمتی شے ہے، اگر دنیا کا ایک خدا ہے تو جب خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک منادی پکارتا ہے کہ آؤ اور خدا کے دین پر جمع ہو جاؤ تو اس آواز پر لبیک کہنے والا قربانی نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے احسان اور اس کے لطف و کرم سے حصہ پاتا ہے اور اگر وہ ایک منٹ کے لئے بھی سمجھتا ہے کہ قربانی کر رہا ہے تو وہ منافق ہے۔ پس اگر تم میں سے کوئی شخص یہ خیال کرتا ہے کہ وہ دین کی خدمت کر کے قربانی کر رہا ہے تو اس کا کوئی ایمان نہیں اس کو اس راستہ سے ہٹ جانا چاہئے۔ لیکن اگر دنیا جس کو ذلت سمجھتی ہے تم اسے عزت سمجھو، جس کو دنیا بیکاری خیال کرتی ہے تم اسے کام سمجھو اور جسے وہ قربانی سمجھتی ہے اسے تم انعام قرار دو تب تم حقیقی معنوں میں مؤمن کہلا سکتے ہو۔ کیا وہ جرنیل جس کے ہاتھوں پر جرمن فتح ہوا یہ سمجھتا تھا کہ جرنیل بن کر اس نے قربانی کی۔ اگر دنیاوی جرنیل اپنے عہدوں پر قائم ہو کر کام کرنا قربانی نہیں سمجھتے تو وہ لوگ جن کے سپرد قلوب کی فتح ہو وہ کیونکر اپنے کاموں کو قربانی قرار دے سکتے ہیں۔ کیا انگریزوں میں سے ہیگ اور جرمنوں سے ہنڈن برگ کی جگہ اگر کوئی شخص کام کرنا چاہتا ہے تو وہ اسے قربانی سمجھتا۔ میں سمجھتا ہوں اسی اعزاز کے حاصل کرنے کے لئے اگر ممکن ہوتا تو ہر شخص اپنی آدھی عمر نذر کے طور پر پیش کر دیتا۔ اسی طرح ممکن ہوتا تو وہ اپنی بیوی اور بچوں کی جان پیش کر کے بھی اس درجہ کو حاصل کرتا اور پھر اسے اپنی قربانی قرار نہ دیتا۔ اگر دنیوی جرنیلوں کے مقام پر کھڑا ہونا انعام سمجھا جاتا ہے تو کیا خدا تعالیٰ کے جرنیلوں کے مقام پر کھڑا ہونا قربانی کہلا سکتا ہے۔ پس وہ شخص جو دین کی خدمت کر کے اسے قربانی قرار دیتا ہے وہ خدا تعالیٰ کا منہ چڑاتا ہے اور اس کی ہتک کرتا ہے گویا نعوذ باللہ من ذالک خدا تعالیٰ کا انعام تو معمولی چیز ہے مگر اس شخص کی جان کی بہت بڑی قیمت ہے کہ وہ اپنی کوششوں کو وقیع قرار دیتا ہے اور خدا تعالیٰ کے انعام کو چھوٹا سمجھتا ہے۔ خدا تعالیٰ اسے ہفت اقلیم کی بادشاہت سے بھی زیادہ انعام دیتا ہے مگر وہ انعام کو نہیں دیکھتا اور اپنی معمولی کوششوں کو قربانی اور ایثار سمجھنے لگ جاتا ہے۔ پس یہی نہیں کہ تم سے امید کی جاتی ہے کہ تم مغربیت سے علیحدہ رہو گے، تم سے امید کی جاتی ہے کہ تم دین اسلام کا جھنڈا ہمیشہ بلند رکھو گے، تم سے امید کی جاتی ہے کہ تم نوع انسان کے خیر خواہ رہو

گے، تم سے امید کی جاتی ہے کہ تم فخر اور خیلاء کے خیالات کو اپنے اندر پیدا نہیں ہونے دو گے، بلکہ ان تمام کاموں کے باوجود تم سے امید کی جاتی ہے کہ تم اپنی خدمات کو ایک ذلیل اور کھوٹا پیسہ تصور کرو گے اور کہو گے کہ خدا تعالیٰ کو تم نے ایک کھوٹا پیسہ دیا مگر اس نے تمہیں دولت بے حساب دی۔

یہ ہے وہ آواز جو تمہیں محمد ﷺ نے دی، اور یہ ہے وہ آواز جو مسیح موعودؑ نے دی، یہ ہے وہ آواز جو خدا تعالیٰ نے دی، اگر خدا اور اس کے رسول اور اس کے مسیح موعود کی پکار کے بعد بھی کسی کے دل سے لبیک کی آواز بلند نہیں ہوتی تو وہ ایک مردہ دل ہے خواہ وہ کتنے ہی اچھے لباس میں موجود ہو۔

کیا لطیف نمونہ ہے جو حضرت بدھ [۱۶] نے دکھایا۔ بدھ اپنے باپ کے اکلوتے بیٹے تھے۔ جب خدا تعالیٰ کی تڑپ ان کے دل میں پیدا ہوئی تو وہ اپنے گھر سے نکل گئے اور مدتوں جنگل اور بیابان میں عبادتیں کرتے رہے۔ آخر خدا تعالیٰ نے ان پر اپنا الہام نازل کیا اور انہیں نبوت کے مقام پر فائز کرکے دنیا کی اصلاح کے لئے مأمور کیا۔ اس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے آپ نے اپنے متبعین کو حکم دیا کہ دنیا نہ کماؤ بلکہ دن بھر دین کا کام کرو اور جب بھوک لگے تو بھیک مانگ کر کھالو۔ جب ان کی شہرت سارے ہندوستان میں پھیل گئی تو ان کے باپ نے بھی جو بہار کے علاقہ میں تھا انہیں بلا بھیجا اور آخر وہ بھی ان کی مریدی میں داخل ہوگیا۔ جب بدھ وہاں سے واپس آنے لگے تو ان کے باپ کو خیال آیا کہ گدی کے متعلق کوئی فیصلہ ہونا چاہئے۔ اس زمانہ میں قانون تھا کہ یا باپ خود گدی پر بیٹھتا یا اپنے بیٹے یا پوتے کو گدی بخش دیتا اس صورت کے علاوہ گدی نشین ہونے کی کوئی صورت نہ تھی۔ بدھ کے باپ نے جب دیکھا کہ یہ تو گدی پر بیٹھیں گے نہیں۔ اس نے اپنے پوتے کو بلایا اور اسے فقیرانہ لباس پہنا کر اور کشکول ہاتھ میں دے کر کہا اپنے باپ کے پاس جا اور کہہ کہ میں بھی اپنا حق مانگنے آیا ہوں۔ گویا مطلب یہ تھا کہ بادشاہت کے لئے آپ اپنا حق میری طرف منتقل کردیں۔ بدھ کا طریق تھا کہ جب کسی کو اپنے سلسلہ میں شامل کرتے تو اس کا سر منڈوا دیتے۔ جب بیٹا ان کے پاس آیا تو انہوں نے کہا کیا تو مجھ سے بھیک مانگنے آیا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ انہوں نے کہا۔ اچھا تو جو کچھ میرے پاس ہے وہ میں دے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر اپنے ایک شاگرد کو بلایا اور کہا کہ اس کا سر مونڈھ دو اور اسے بھکشو بنا دو۔ جس کے معنے یہ تھے کہ بادشاہت اس کے خاندان سے نکل گئی۔ باپ نے جب یہ

سنا تو وہ رو پڑا اور ان سے یہ عہد لیا کہ آئندہ کسی نو عمر کو بھکشو نہ بنائیں۔ تو اللہ تعالیٰ کے دین کے متعلق جو کام ہمارے ذمہ ہے وہ اتنا عظیم الشان ہے اور اس کی ذمہ داری اتنی وسیع ہے کہ میں افسوس کرتا ہوں ہمارے دل ابھی اس کا اندازہ نہیں کر سکے۔ میں دیکھتا ہوں جو لوگ دین کی خدمت بھی کرتے ہیں وہ خیال کرتے ہیں کہ گویا انہوں نے قربانی کی حالانکہ قربانی ہمیشہ اعلیٰ چیز کہلاتی ہے۔ اگر دین کے لئے کام کرنا قربانی ہے تو گویا دین ادنیٰ ہے مگر ان کا درجہ اس سے بلند ہے۔ یہ احساس اگر ایک لمحہ کے لئے بھی ہمارے اندر رہتا ہے کہ ہم دینی کام کر کے قربانی کرتے ہیں تو یقیناً ہم ایمان سے بے بہرہ اور نابینا ہیں۔

پس پہلے تو میں ان سے جنہیں خدا کے رسول نے آواز دی اور کہا کہ لنالہ رجال من فارس کہتا ہوں کہ وہ اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو سمجھیں ان کے سامنے ایک بہت بڑا کام ہے۔ دنیا کی عزتیں اور دنیا کی بڑائیاں کوئی چیز نہیں خدا کے در کی غلامی سب سے زیادہ عزت والی چیز ہے۔ اگر تم دنیا کماؤ بھی اور سبھی کچھ بن جاؤ تو کیا محمد ﷺ کے خدام سے تمہاری عزت بڑھ سکتی ہے پھر ان نشانات کو دیکھو جنہوں نے دور دور کے اندھوں کو روشنی بخش دی جس سے یورپ اور امریکہ کے نابینا بینا ہو گئے اگر پاس والے اللہ تعالیٰ کے اس نور سے فائدہ نہ اٹھائیں تو کس قدر افسوس ناک بات ہوگی۔ پس پہلے تو میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جسمانی اولاد کو مخاطب کرتا ہوں لیکن چونکہ ہر شخص جو سچے دل سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کرتا اور آپ کے اوامر پر کاربند ہوتا ہے آپ کی روحانی اولاد میں داخل ہے اس لئے روحانی طور پر تمام جماعت احمدیہ رجال فارس میں داخل ہے پس روحانی اولاد ہونے کی نسبت سے میں باقی تمام جماعت سے بھی کہتا ہوں کہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو۔ کب تک یہ غفلت شعاریاں چلی جائیں گی، کب تک تمہارے چہروں پر مردنیاں چھائی رہیں گی، کب تک خدا تعالیٰ کے دین کو تحقیر اور تذلیل کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور تم خاموش رہو گے، کب تک تم اپنی حقیر خدمات کو قربانیاں قرار دو گے، کب وہ دن آئے گا کہ تم دین کے لئے بیتاب ہو جاؤ گے اور کب وہ دن آئے گا کہ تم کمر ہمت باندھ کر اس کام کے لئے میدان عمل میں نکل کھڑے ہو گے جس کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام دنیا میں مبعوث ہوئے۔ پس میں انہیں بھی کہتا ہوں کہ خدا کی ایک آواز بلند ہوئی ہے اٹھو اور اس آواز کو سن کر وہی کہو جو تم سے پہلے راست بازوں نے آج سے تیرہ سو سال پہلے کہا تھا کہ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىْ

لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ○ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ۔ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ○ [۱۷] اس تعلیم کو اپنے دل میں پیدا کرو یہاں تک کہ تمہارا ذرہ ذرہ اس تعلیم پر لبیک کہہ اٹھے۔ پھر اپنی اولادوں کے کانوں میں یہ تعلیم ڈالو اور وہ اپنی اولادوں کے کانوں میں ڈالیں یہاں تک کہ ہمارے کانوں میں سوائے خدا کی آواز کے اور کوئی آواز نہ گونجے۔ ہماری آنکھوں میں سوائے اس نور کے اور کوئی نور نہ چمکے۔ جب تک یہ حالت پیدا نہیں ہوتی ہم مٹی کے بت ہیں جو بڑے بڑے کام کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں سڑے ہوئے مردار ہیں جو دنیا کو زندہ کرنے کے مدعی بنتے ہیں۔

میں اس کے بعد ان نکاحوں کا اعلان کرتا ہوں جن کے لئے یہ اجتماع کیا گیا ہے گو بظاہر اس خطبہ کا نکاح کے ساتھ کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا لیکن حقیقی طور پر اس کا نکاح کے ساتھ گہرا تعلق ہے کیونکہ حقیقت زوجیت خدا تعالیٰ کے تعلق میں ہی ہے یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ شادیوں کے ذکر میں نمازوں کا خصوصیت سے ذکر کرتا ہے۔ اگر ہم دنیا میں زوجیت کا تعلق قبول کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں خدا اور اس کے رسول کی محبت میں سرشار رہنا ہمیں گوارا نہ ہو اور حقیقی خوشی تو اس وقت تک ہمیں حاصل نہیں ہو سکتی جب تک اسلام دنیا میں قائم نہیں ہو جاتا۔ اس وقت تک دنیا کی خوشیاں بھی ہمیں غم میں مبتلاء کر دیں گی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق لکھا ہے وہ رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد ایک دفعہ میدہ کی روٹی کھا رہی تھیں کہ ان کے آنسو بہنے لگ گئے۔ کسی نے پوچھا آپ کیوں روتی ہیں۔ انہوں نے کہا رسول کریم ﷺ کے وقت چکیاں نہیں ہوتی تھیں ہم سل بٹہ پر دانے کوٹ لیتے اور بھوسی پھونک سے اڑا کر آٹا گوندھ کر روٹی پکا لیتے۔ اب میدہ کی روٹی میرے گلے میں پھنس رہی ہے اور مجھے خیال آتا ہے کہ اگر رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں میدہ ہوتا تو میں آپ کو اس کی روٹی پکا کر کھلاتی۔ [۱۸] ایک میدہ کی روٹی کتنی حقیر چیز ہے مگر حضرت عائشہؓ کے گلے میں وہ بھی پھنس گئی اس لئے کہ انہیں رسول کریم ﷺ کا وقت یاد آ گیا۔ پھر کیا دنیا کی تمام نعمتیں ہمارے گلے میں نہیں پھنسنی چاہئیں۔ دنیا کی نعمتیں اور حکومتیں کس کے لئے ہیں؟ یہ سب خدا اور اس کے رسول کے لئے اور اس کے شاگرد کامل مسیح موعودؑ کے لئے ہیں۔ پھر کیوں نہ ہم ان سب نعمتوں کو لا کر خدا اور اس کے رسول کے قدموں میں ڈال دیں۔ حضرت

عائشہؓ دنیا کو نصف ایمان سکھانے والی تھیں۔ عائشہؓ رسول کریم ﷺ کی پیاری بیوی تھیں ان کا نمونہ ہمارے لئے پاک نمونہ ہے۔ کیا محبت تھی ان کے دل میں ایک میدہ کی روٹی بھی وہ رسول کریم ﷺ سے جدا ہو کر نہ کھاسکیں اور اس کے کھاتے ہوئے بھی ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ پھر کیا دنیا کی بڑی سے بڑی نعمتیں دیکھ کر ہماری آنکھوں میں آنسو نہیں بھرنے چاہئیں۔ جب تک اس دنیا میں ہماری وہ حالت نہ ہو جو حضرت عائشہؓ کی تھی اس وقت تک حقیقی معرفت کے حصول سے ہم دور ہیں۔ اگر خدا ہمیں اچھا پہناتا ہے تو ہم بے شک پہنیں، اچھا کھلاتا ہے تو ہم بے شک کھائیں مگر ہمارے دل میں یہ درد ہونا چاہئے کہ دنیا پر دجال قابض ہے کاش ہمیں طاقت ہو تو ہم دنیا کی ہر چیز محمد ﷺ اور آپ کے شاگردوں کے لئے مخصوص کردیں۔ بے شک خدا ہمارا آقا ہے اور وہ ہمیں اچھی چیز کھلاتا یا پہناتا ہے تو ہمیں کھانی یا پہنی چاہئے مگر باوجود اس کے ان چیزوں کو ہمارے گلوں میں پھنسنا چاہئے اور ہمارے دل میں تڑپ ہونی چاہئے کہ جب تک ان کپڑوں کے بننے والے اور کھانوں کو تیار کرنے والے مسلمان نہیں ہو جاتے جب تک ہر تاگا جو دوسرے تاگا میں پرویا جاتا ہے ایک مسلمان کے ہاتھ سے پرویا نہ جائے اور اس پر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ نہ پڑھا جائے ہم چین، اطمینان اور راحت کے بستر پر نہیں سوسکتے۔

ان کھانوں کے کھاتے وقت اور ان کپڑوں کے پہنتے وقت ہمارے دل میں ایک آگ ہونی چاہئے ایک سوزش ہونی چاہئے کہ ہر نعمت خواہ وہ دینی ہو یا دنیوی اس کی کنجی محمد ﷺ کے ہاتھ میں ہو۔ یہ چیز ہے جسے ہمیں اپنے اندر پیدا کرنا چاہئے۔ اگر ہم اسے پیدا کرلیں تو ہماری عقل اور ہمارے فہم و فراست میں ایک برکت رکھ دی جائے گی۔ ورنہ یہ ایک طبعی بات ہے کہ خوشی کے موقع پر زیادہ رنج پیدا ہوتا ہے۔ جب مؤمن کو کوئی خوشی پہنچتی ہے تو اسے خیال آتا ہے کہ کیا اس خوشی میں محمد ﷺ اور حضرت مسیح موعودؑ شریک ہیں یا نہیں۔ اگر وہ شریک ہوں تو ہمارے لئے خوشی ہے اور اگر وہ اس میں شریک نہ ہوں تو خوشی رنج کو بڑھانے والی اور ہمارے دلوں کو مغموم کرنے والی ہوگی۔ ایک خاوند جس کی بیوی مرجاتی ہے یا ایک عورت جس کا خاوند مرجاتا ہے جب وہ اپنے بچوں کی شادیاں کرتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں مگر ساتھ ہی ان کے آنسو بھی بہہ رہے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کاش! ان بچوں کی والدہ یا والد زندہ ہوتا۔ یہی حال مؤمن کا ہوتا ہے اسے کوئی خوشی پہنچے ساتھ ہی اسے رنج بھی ہوتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ کیا

محمد ﷺ اور حضرت مسیح موعودؑ ان خوشیوں میں شامل ہیں یا نہیں۔ اگر نہ ہوں تو وہ رسمی خوشی مناتا ہے حقیقی خوشی اسے حاصل نہیں ہوتی۔

پس یہ بے جوڑ خطبہ نہیں بلکہ اس کا نکاح کے ساتھ بہترین تعلق ہے۔ اس خطبہ کے بعد اور اس ذمہ داری کی حقیقت واضح کرنے کے بعد کہ ساری ذمہ داریاں اسی میں آجاتی ہیں میں ان نکاحوں کا اعلان کرتا ہوں جن کے لئے میں اس وقت کھڑا ہوا ہوں۔

اس کے بعد حضور نے نکاحوں کا اعلان فرمایا اور مجمع سمیت لمبی دعا کی۔

(الفضل ۲۶۔ اگست ۱۹۳۴ء صفحہ ۳ تا ۱۰)

۱ الفضل ۲۶۔ اگست ۱۹۳۴ء صفحہ ۳
۲ الذّٰریٰت : ۵۷
۳ مسلم کتاب الفتن باب فی بقیّة من احادیث الدجال
۴ بخاری کتاب التفسیر۔ تفسیر سورۃ الجمعہ زیر آیت "واٰخرین منهم لما یلحقوا بهم"۔ میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں لو کان الایمان عند الثریا لناله رجال او رجل من هٰؤلاء"
۵ مسلم کتاب الفتن باب ذکر الدجال و صفتهٗ و ما معهٗ
۶ الجمعۃ : ۴
۷ طبری جلد ۳ صفحہ ۶۹۲ مطبوعہ بیروت
۸ بخاری کتاب المغازی باب قول الله تعالی و یوم حنین اذ اعجبتکم۔
۹ سیرت ابن ہشام عربی جلد ۴ صفحہ ۸۷ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء
۱۰
۱۱ تذکرہ صفحہ ۱۰۸، ۱۰۹۔ ایڈیشن چہارم
۱۲ ابراہیم : ۳۸
۱۳ البقرۃ : ۱۳۲
۱۴ بخاری کتاب المناقب باب المناقب و قول الله تعالی یایها الناس....
۱۵ بخاری کتاب الزکوٰۃ باب لا صدقه الا عن ظهر غنی
۱۶ The life of BUDDHA (p.190,193)
By A Ferdinand Herald (Translated from French by PAUL C,BLUM)
۱۷ اٰل عمران : ۱۹۵ ،۱۹۴
۱۸ ترمذی ابواب الزهد باب ماجاء فی معیشة النبی صلی الله علیه وسلم و اهله